

حالات زندگی حضرت امام جواد علیہ السلام

<?xml encoding="UTF-8?">

نام ونسب اسم گرامی : محمد (ع)

لقب : جواد ، تقی

کنیت : ابو جعفر

والد کا نام : علی (ع)

والدہ کا نام : خیزران

تاریخ ولادت : ۱۰ / رجب ۱۵۹ھ

جائے ولادت : مدینہ منورہ

مدت امامت: ۱۷ / سال

عمر : ۲۵ / سال

تاریخ شہادت : آخر ذیقعدہ ۲۲۰ھ

شہادت کی وجہ : آپ کی زوجہ نے زہر دیکر شہید کیا

روضہ اقدس : عراق (کاظمین)

اولاد کی تعداد : ۲ / بیٹے اور ۲ بیٹیاں

بیٹوں کے نام : (۱) علی (۲) موسیٰ مبرقع

بیٹیوں کے نام : (۱) فاطمہ (۲) امامہ

بیویاں : ۲

انگوٹھی کے نگینے کا نقش : ” حسی اللہ“

ولادت ۱۰

رجب ۱۹۵ھ کو مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی . اس وقت بغداد کے دارلسلطنت میں ارون رشید کابیٹا امین تخت حکومت پر تھا

نشو و نما اور تربیت

یہ ایک حسرت ناک واقعہ ہے کہ امام محمدتقی علیہ السلام کو نہایت کمسنی ہی کے زمانے میں مصائب اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوجانا پڑا . انہیں بہت کم ہی اطمینان اور سکون کے لمحات میں باپ کی محبت , شفقت اور تربیت کے سائے میں زندگی گزارنے کا موقع مل سکا . آپ کا صرف پانچواں برس تھا جب حضرت امام رضا علیہ السلام مدینہ سے خراسان کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہوئے تو پھر زندگی میں ملاقات کا

موقع نہ ملا امام محمدتقی علیہ السّلام سے جدا ہونے کے تیسرے سال امام رضا علیہ السّلام کی وفات ہوگئی . دنیا سمجھتی ہوگی کہ امام محمدتقی علیہ السّلام کے لئے علمی و عملی بلندیوں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا اس لئے اب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی علمی مسند شاید خالی نظر آئے مگر خلق خدا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کمسن بچے کو تھوڑے دن بعد مامون کے پہلو میں بیٹھ کر بڑے بڑے علماء سے فقہ حدیث، تفسیر اور کلام پر مناظرے کرتے اور سب کو قائل ہو جاتے دیکھا . اس کی حیرت اس وقت تک دور ہونا ممکن نہ تھی , جب تک وہ مادی اسباب کے آگے ایک مخصوص خدا وندی مدرسہ تعلیم و تربیت کے قائل نہ ہوتے , جس کے بغیر یہ معمہ نہ حل ہوا اور نہ کبھی حل ہوسکتا ہے .

عراق کا پہلا سفر

جب امام رضا علیہ السّلام کو مامون نے ولی عہد بنایا اور اس کی سیاست اس کی مقتضی ہوئی کہ بنی عباس کو چھوڑ کر بنی فاطمہ سے روابط قائم کئے جائیں اور اس طرح شیعیان اہل بیت علیہ السّلام کو اپنی جانب مائل کیا جائے تو اس نے ضرورت محسوس کی کہ خلوص واتحاد کے مظاہرے کے علاوہ اس قدیم رشتے کے جو ہاشمی خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے ہے , کچھ جدید رشتوں کی بنیاد بھی قائم کردی جائے چنانچہ اسی جلسہ میں جہاں ولی عہدی کی رسم ادا کی گئی، اس نے اپنی بہن ام حبیبہ کا عقد امام رضا علیہ السّلام کے ساتھ کیا اور اپنی بیٹی ام الفضل کی نسبت کا امام محمد تقی علیہ السّلام کے ساتھ اعلان کیا . غالباً اس کا خیال تھا کہ اس طرح امام رضا علیہ السّلام اپنے ہمناو بنائے جا سکیں گے مگر جب اس نے محسوس کیا کہ یہ اپنے ان منصبی فرائض کو جو رسول کے ورثہ دار ہونے کی بنا پر ان کے ذمہ ہیں کسی قیمت پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتے اور اب عباسی سلطنت کا رکن ہونے کے ساتھ ان اصول پر قائم رہنا مدینہ کے محلہ بنی ہاشم میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے سے کہیں زیادہ خطر ناک ہے تو اسے اپنے مفاد سلطنت کے تحفظ کی خاطر اس کی ضرورت ہوئی کہ وہ زہر دے کر حضرت علیہ السّلام کی زندگی کا خاتمہ کر دے مگر وہ مصلحت جو امام رضا علیہ السّلام کو ولی عہد بنانے کی تھی یعنی ایرانی قوم اور جماعت شیعہ کو اپنے قبضے میں رکھنا وہ اب بھی باقی تھی اس لئے ایک طرف تو امام رضا علیہ السّلام کے انتقال پر اس نے غیر معمولی رنج و غم کا اظہار کیا تاکہ وہ اپنے دامن کو حضرت کے خون ناحق سے الگ ثابت کرسکے . اور دوسری طرف اس نے اپنے اعلان کی تکمیل ضروری سمجھی کہ جو وہ امام محمدتقی علیہ السّلام کے ساتھ اپنی لڑکی سے منسوب کرنے کا کرچکا تھا , اس نے اس مقصد سے امام محمدتقی علیہ السّلام کو مدینہ سے عراق کی طرف بلوایا . اس لئے کہ امام رضا علیہ السّلام کی وفات کے بعد وہ خراسان سے اب اپنے خاندان کے پرانے دارالسلطنت بغداد میں آچکا تھا اور اس نے یہ تہیہ کر لیا کہ وہ ام الفضل کا عقد اس صاحبزادے کے ساتھ بہت جلد کر دے .

علماء سے مناظرہ

بنی عباس کو مامون کی طرف سے امام رضا علیہ السّلام کا ولی عہد بنایا جانا ہی ناقابل برداشت تھا امام رضا علیہ السّلام کی وفات سے ایک حد تک انہیں اطمینان حاصل ہوا تھا اور انہوں نے مامون سے اپنے حسبِ

دلخواہ اس کے بھائی موتمن کی ولی عہدی کا اعلان بھی کرادیا جو بعد میں معتصم باللہ کے نام سے خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ اس کے علاوہ امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کے زمانہ میں عباسیوں کا مخصوص شعاع یعنی کالا لباس تبدیل ہو کر سبز لباس کا رواج ہو رہا تھا اسے منسوخ کر کے پھر سیاہ لباس کی پابندی عائد کر دی گئی، تاکہ بنی عباس کے روایات قدیمہ محفوظ رہیں۔ یہ باتیں عباسیوں کو یقین دلا رہی تھیں کہ وہ مامون پر پورا قابو پاچکے ہیں مگر اب مامون یہ ارادہ کہ وہ امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنا داماد بنائے، ان لوگوں کے لئے پھر تشویش کا باعث بنا۔ اس حد تک کہ وہ اپنے دلی رجحان کو دل میں نہ رکھ سکے اور ایک وفد کی شکل میں مامون کے پاس آکر اپنے جذبات کا اظہار کر دیا، انہوں نے صاف صاف کہا کہ امام رضا کے ساتھ جو آپ نے طریقہ کار استعمال کیا وہی ہم کو ناپسند تھا۔ مگر خیر وہ کم از کم اپنی عمر اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے قابلِ عزت سمجھے بھی جاسکتے ہیں مگر ان کے بیٹے محمد تو ابھی بالکل کم سن ہیں ایک بچے کو بڑے بڑے علماء اور معززین پر ترجیح دینا اور اس قدر اس کی عزت کرنا ہر گز خلیفہ کے لئے زیبا نہیں ہے پھر ام حبیبہ کانکاح جو امام رضا علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا تھا اس سے ہم کو کیا فائدہ پہنچا۔ جو اب ام الفضل کانکاح محمد ابن علی علیہ السلام کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

مامون نے ان تمام تقریر کا یہ جواب دیا کہ محمد کمسن ضرور ہیں مگر میں نے خوب اندازہ کر لیا ہے۔ اوصاف و کمالات میں وہ اپنے باپ کے پورے جانشین ہیں اور عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء جن کا تم حوالہ دے رہے ہو علم میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اگر تم چاہو تو امتحان لے کر دیکھ لو۔ پھر تمہیں بھی میرے فیصلے سے متفق ہونا پڑے گا۔ یہ صرف منصفانہ جواب ہی نہیں بلکہ ایک طرح کا چیلنج تھا جس پر مجبوراً ان لوگوں کو مناظرے کی دعوت منظور کرنا پڑی حالانکہ خود مامون تمام سلاطین بنی عباس میں یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ مورخین اس کے لئے یہ الفاظ لکھ دیتے ہیں: کان بعد من کبار الفقہاء یعنی اس کا شمار بڑے فقیہوں میں ہے۔ اس لئے اس کا فیصلہ خود کچھ کم وقعت نہ رکھتا تھا مگر ان لوگوں نے اس پر اکتفا نہیں کی بلکہ بغداد کے سب سے بڑے عالم یحییٰ بن اکثم کو امام محمد تقی علیہ السلام سے بحث کے لئے منتخب کیا۔

مامون نے ایک عظیم الشان جلسہ اس مناظرے کے لئے منعقد کیا اور عام اعلان کرادیا۔ ہر شخص اس عجیب اور بظاہر غیر متوازی مقابلے کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا جس میں ایک طرف ایک اٹھ برس کا بچہ تھا اور دوسری طرف ایک آزمود کار اور شہرہ آفاق قاضی القضاۃ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر طرف سے خلائی کا ہجوم ہو گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ ارکانِ دولت اور معززین کے علاوہ اس جلسے میں نوسو کرسیاں فقط علماء و فضلاء کے لئے مخصوص تھیں اور اس میں کوئی تعجب نہیں اس لئے کہ یہ زمانہ عباسی سلطنت کے شباب اور بالخصوص علمی ترقی کے اعتبار سے زریں دور تھا اور بغداد دارالسلطنت تھا جہاں تمام اطراف سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین پہونچ کر جمع ہو گئے تھے۔ اس اعتبار سے یہ تعداد کسی مبالغہ پر مبنی معلوم نہیں ہوتی۔

مامون نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے لئے اپنے پہلو میں مسند بچھوائی تھی اور حضرت کے سامنے یحییٰ ابن اکثم کے لئے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ہر طرف کامل سناٹا تھا۔ مجمع ہمہ تن چشم و گوش بنا ہوا گفتگو شروع ہونے کے وقت کا منتظر ہی تھا کہ اس خاموشی کو یحییٰ کے اس سوال نے توڑ دیا جو اس نے مامون کی طرف مخاطب ہو کر کہا تھا۔ «حضور کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ابو جعفر سے کوئی مسئلہ دریافت کروں؟»

مامون نے کہا، «تم کو خود ان ہی سے اجازت طلب کرنا چاہئے۔»

یحییٰ امام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا-»کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ دریافت کروں؟
فرمایا-» تم جو پوچھنا چاہو پوچھ سکتے ہو-»

یحییٰ نے پوچھا کہ «حالت احرام میں اگر کوئی شخص شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟» اس سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یحییٰ حضرت امام محمد تقی کی علمی بلندی سے بالکل واقف نہ تھا۔ وہ اپنے غرور علم اور جہالت سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ کمسن صاحبزادے ہی تو ہیں۔ روزمرہ روزے نماز کے مسائل سے واقف ہوں تو ہوں مگر حج وغیرہ کے احکام اور حالت احرام میں جن چیزوں کی ممانعت ہے ان کے کفاروں سے بھلا کہاں واقف ہوں گے۔

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں اس طرح سوال کے گوشوں کی الگ الگ تحلیل فرمائی، جس سے اصل مسئلے کا جواب دئے بغیر آپ کے علم کی گہرائیوں کا یحییٰ اور تمام اہل محفل کو اندازہ ہو گیا، یحییٰ خود بھی اپنے کو سبک پانے لگا اور تمام مجمع بھی اس کا سبک ہونا محسوس کرنے لگا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تمہارا سوال بالکل مبہم اور مجمل ہے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شکار حل میں تھا یا حرم میں، شکار کرنے والا مسئلے سے واقف تھا یا ناواقف، اس نے عمدتاً اس جانور کو مار ڈالا یا دھوکے سے قتل ہو گیا، وہ شخص آزاد تھا یا غلام، کمسن تھا یا بالغ، پہلی مرتبہ ایسا کیا تھا یا اس کے پہلے بھی ایسا کر چکا تھا، شکار پرند کا تھا یا کوئی اور، چھوٹا تھا یا بڑا، وہ اپنے فعل پر اصرار رکھتا ہے یا پشیمان ہے، رات کو یا پوشیدہ طریقہ پر اس نے شکار کیا یا دن دھاڑے اور علانیہ، احرام عمرہ کا تھا یا حج کا؟ جب تک یہ تمام تفصیلات نہ بتائی جائیں اس مسئلہ کا کوئی ایک معین حکم نہیں بتایا جا سکتا۔

یحییٰ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہوتا بہر حال فقہی مسائل پر بھی کچھ نہ کچھ اس کی نظر تھی۔ وہ ان کثیر التعداد شقوں کے پیدا کرنے ہی سے خوب سمجھ گیا کہ ان کا مقابلہ میرے لئے آسان نہیں ہے۔ اس کے چہرے پر ایسی شکستگی کے آثار پیدا ہوئے جن کا تمام دیکھنے والوں نے اندازہ کر لیا۔ اب اس کی زبان خاموش تھی اور وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ مامون نے اس کی کیفیت کا صحیح اندازہ کر کے اس سے کچھ کہنا بیکار سمجھا اور حضرت علیہ السلام سے عرض کیا کہ پھر آپ ہی ان تمام شقوں کے احکام بیان فرما دیجئے، تاکہ سب کو استفادہ کا موقع مل سکے۔ امام علیہ السلام نے تفصیل کے ساتھ تمام صورتوں کے جداگانہ جو احکام تھے بیان فرمائے یحییٰ ہکا بکا امام علیہ السلام کا منہ دیکھ رہا تھا اور بالکل خاموش تھا۔ مامون کو بھی ضد تھی کہ وہ اتمام حجت کو انتہائی درجے تک پہنچا دے اس لئے اس نے امام علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر مناسب معلوم ہو تو آپ بھی یحییٰ سے کوئی سوال فرمائیں۔ حضرت علیہ السلام نے اخلاقاً یحییٰ سے یہ دریافت کیا کہ «کیا میں بھی تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟» یحییٰ اب اپنے متعلق کسی دھوکے میں مبتلا نہ تھا، اپنا اور امام علیہ السلام کا درجہ اسے خوب معلوم ہو چکا تھا۔ اس لئے طرز گفتگو اس کا اب دوسرا ہی تھا۔ اس نے کہا کہ حضور دریافت فرمائیں اگر مجھے معلوم ہو گا تو عرض کر دوں گا ورنہ خود حضور ہی سے معلوم کر لوں گا، حضرت نے سوال کیا۔ جس کے جواب میں یحییٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی عاجزی کا اقرار کیا اور پھر امام نے خود اس سوال کا حل پیش فرما دیا۔ مامون کو اپنی بات کے بالا رہنے کی خوشی تھی۔ اس نے مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ یہ وہ گہرانا ہے جو قدرت کی طرف سے علم کا مالک قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کے بچوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مجمع میں جوش و خروش تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ بے شک جو آپ کی رائے ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور یقیناً ابو جعفر محمد ابن علی کا کوئی مثل نہیں ہے۔ مامون نے اس کے

بعد ذرا بھی تاخیر مناسب نہیں سمجھی اور اسی جلسے میں امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ ام الفضل کا عقد کر دیا۔ نکاح سے قبل جو خطبہ ہمارے یہاں عموماً پڑھا جاتا ہے وہی ہے جو کہ امام محمد تقی نے اس عقد کے موقع پر اپنی زبان مبارک پر جاری کیا تھا۔ یہی بطور یادگار نکاح کے موقع پر باقی رکھا گیا ہے مامون نے اس شادی کی خوشی میں بڑی فیاضی سے کام لیا۔ لاکھوں روپیہ خیر و خیرات میں تقسیم کیا گیا اور تمام رعایا کو انعامات و عطیات کے ساتھ مالا مال کیا گیا۔

مدینہ کی طرف واپسی

آپ شادی کے بعد تقریباً ایک سال تک بغداد میں مقیم رہے اس کے بعد مامون نے بہت اہتمام کے ساتھ ام الفضل کو حضرت کے ساتھ رخصت کر دیا اور امام مدینہ میں واپس تشریف لے آئے۔

اخلاق و اوصاف امام محمد تقی علیہ السلام

اخلاق و اوصاف میں انسانیت کی اس بلندی پر تھے جس کی تکمیل رسول اور آل رسول کا طرہ امتیاز تھی کہ ہر ایک سے جھک کر ملنا، ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا، مساوات اور سادگی کو ہر حالت میں پیش نظر رکھنا، غربا کی پوشیدہ طور پر خبر لینا اور دوستوں کے علاوہ دشمنوں تک سے اچھا سلوک کرتے رہنا۔ مہمانوں کی خاطر داری میں انہماک اور علمی اور مذہبی پیاسوں کے لئے فیصلہ کے چشموں کا جاری رکھنا آپ کی سیرت زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسے اس سلسلہ عصمت کے دوسرے افراد کا تھا جس کے حالات اس سے پہلے لکھے جاچکے ہیں۔

اہل دنیا کو جو کہ آپ کی بلندی نفس کا پورا اندازہ نہ رکھتے تھے، یہ تصور ضرور ہوتا تھا کہ ایک کمسن بچے کا عظیم الشان مسلمان سلطنت کے شہنشاہ کا داماد ہوجانا یقیناً اس کے چال ڈھال اور طور طریقے کو بدل دے گا اور اس کی زندگی دوسرے سانچے میں ڈھل جائے گی۔ حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا مقصد ہوسکتا ہے جو مامون کی کوتاہ نگاہ کے سامنے بھی تھا۔ بنی امیہ یا بنی عباس کے بادشاہوں کا آل رسول کی ذات سے اتنا اختلاف نہ تھا کہ جتنا ان کے صفات سے۔ وہ ہمیشہ اس کے درپے رہتے تھے کہ بلندی اخلاق اور معراج انسانیت کا وہ مرکز جو مدینہ میں قائم ہے اور جو سلطنت کے مادی اقتدار کے مقابلے میں ایک مثالی روحانیت کا مرکز بنا ہوا ہے، کسی طرح ٹوٹ جائے اسی کے لئے گھبرا گھبرا کر وہ مختلف تدبیریں کرتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کرنا اسی کی ایک شکل تھی اور پھر امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد بنانا اسی کا دوسرا طریقہ، فقط ظاہری شکل و صورت میں ایک کا اندازہ معاندانہ اور دوسرے کا طریقہ ارادات مندی کے روپ میں تھا مگر اصل حقیقت دونوں صورتوں میں ایک تھی۔ جس طرح امام حسین علیہ السلام نے بیعت نہ کی تو وہ شہید کر ڈالے گئے، اسی طرح امام رضا علیہ السلام ولی عہد ہونے کے باوجود حکومت کے مادی مقاصد کے ساتھ ساتھ نہ چل سکے تو آپ کو زہر کے ذریعے سے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا گیا۔

اب مامون کے نقطہ نظر سے یہ موقع انتہائی قیمتی تھا کہ امام رضا علیہ السلام کا جانشین تقریباً آٹھ برس کا بچہ ہے جو تین برس پہلے باپ سے چھڑا لیا جاچکا تھا۔ حکومت وقت کی سیاسی سوجہ بوجہ کہہ رہی تھی

کہ اس بچے کو اپنے طریقے پر لانا نہایت آسان ہے اور اس کے بعد وہ مرکز جو حکومت وقت کے خلاف ساکن اور خاموش مگر انتہائی خطرناک قائم ہے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا ۔

مامون امام رضا علیہ السّلام کو ولی عہد کی مہم میں اپنی ناکامی کو مایوسی کا سبب نہیں تصور کرتا تھا ، اس لئے کہ امام رضا علیہ السّلام کی زندگی ایک اصول پر قائم رہ چکی تھی ۔ اس میں تبدیلی اگر نہیں ہوتی تو یہ ضروری نہیں کہ امام محمد تقی علیہ السّلام جو آٹھ برس کے سن میں قصر حکومت میں نشو و نما پا کر بڑھیں وہ بھی بالکل اپنے بزرگوں کے اصول زندگی پر برقرار رہے ۔

سوائے ان لوگوں کے جو ان مخصوص افراد کے خداداد کمالات کو جانتے تھے ۔ اس وقت کا ہر شخص یقیناً مامون ہی کا ہم خیال ہوگا ۔ مگر دنیا تو حیران ہو گئی جب یہ دیکھا کہ وہ آٹھ برس کا بچہ جسے شہنشاہ اسلام کا داماد بنایا گیا ہے اس عمر میں اپنے خاندانی رک رکھاؤ اور اصول کا اتنا پابند ہے کہ وہ شادی کے بعد شاہی محل میں قیام سے انکار کر دیتا ہے اور اس وقت بھی کہ جب بغداد میں قیام رہتا ہے تو ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لے کر اس میں قیام فرماتا ہے ۔ اس سے بھی امام علیہ السّلام کی مستحکم قوت ارادی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔ عموماً مالی اعتبار سے لڑکی والے کچھ بھی بڑا درجہ رکھتے ہوتے ہیں تو وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ جہاں وہ رہیں وہیں داماد بھی رہے ۔ اس گھر میں نہ سہی تو کم از کم اسی شہر میں اس کا قیام رہے ۔ مگر امام محمد تقی علیہ السّلام نے شادی کے ایک سال بعد ہی مامون کو حجاز واپس جانے کی اجازت دینے پر مجبور کر دیا ۔ یقیناً یہ امر ایک چاہنے والے باپ اور مامون ایسے بااقتدار کے لئے انتہائی ناگوار تھا مگر اسے لڑکی کی جدائی گوارا کرنا پڑی اور امام علیہ السّلام مع ام الفضل کے مدینہ تشریف لے گئے ۔

مدینہ میں تشریف لانے کے بعد ڈیوڑھی کا وہی انداز رہا جو اس سے پہلے تھا ۔ نہ پھریدار نہ کوئی خاص روک ٹوک ، نہ ترک و احتشام نہ اوقات ملاقات ، نہ ملاقاتیوں کے ساتھ برتاؤں میں کوئی تفریق ۔ زیادہ تر نشست مسجد نبوی میں رہتی تھی جہاں مسلمان حضرات کی وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے ۔ راویان حدیث دریافت کرتے تھے ۔ طالب علم مسائل پوچھتے تھے ۔ صاف ظاہر تھا کہ آپ امام جعفر صادق علیہ السّلام ہی کے جانشین ہیں جو اسی مسند علم پر بیٹھے ہوئے ہدایت کا کام انجام دے رہے ہیں ۔

امور خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں آپ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو جن حدود میں رکھا تھا ان ہی حدود میں آپ نے ام الفضل کو رکھا ۔ آپ نے اس کی مطلق پروا نہیں کی کہ آپ کی بیوی ایک شہنشاہ وقت کی بیٹی ہیں ۔ چنانچہ ام الفضل کے ہوتے آپ نے حضرت عمار یاسر کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد بھی کیا اور قدرت کو نسلِ امامت اسی خاتون سے باقی رکھنا منظور تھا ۔ یہی امام علی نقی علیہ السّلام کی ماں ہوئیں ۔ ام الفضل نے اس کی شکایت اپنے باپ کے پاس لکھ کر بھیجی ۔ مامون کے دل کے لئے بھی یہ کچھ کم تکلیف دہ امر نہ تھا ۔ مگر اسے اب اپنے کیے کو نباھنا تھا ۔ اس نے ام الفضل کو جواب لکھا کہ میں نے تمہارا عقد ابو جعفر علیہ السّلام کے ساتھ اس لئے نہیں کیا ہے کہ ان پر کسی حلالِ خدا کو حرام کر دوں ۔ مجھ سے اب اس قسم کی شکایت نہ کرنا ۔

جواب دے کر حقیقت میں اس نے اپنی خفت مٹائی ہے ۔ ہمارے سامنے اس کی نظیریں موجود ہیں کہ اگر مذہبی حیثیت سے کوئی بااحترام خاتون ہوئی ہے تو اس کی زندگی میں کسی دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا گیا جیسے پیغمبر کے لئے جناب خدیجہ کبریٰ علیہ السّلام اور حضرت علی المرتضیٰ علیہ السّلام کے لئے جناب فاطمہ زہرا علیہا السّلام مگر شہنشاہ دنیا کی بیٹی کو یہ امتیاز دینا صرف اس لئے کہ وہ بادشاہ کی بیٹی ہے ، اسلام کی اس روح کے خلاف تھا جس کے آل محمد محافظ تھے اس لئے امام محمد تقی علیہ السّلام نے اس کے

خلاف طرز عمل اختیار کرنا اپنا فریضہ سمجھا .

تبلیغ و ہدایت

آپ کی تقریر بہت دلکش اور پر تاثیر ہوتی تھی . ایک مرتبہ زمانہ حج میں مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر آپ نے احکام شرع کی تبلیغ فرمائی تو بڑے بڑے علماء دم بخود رہ گئے اور انہیں اقرار کرنا پڑا کہ ہم نے ایسی جامع تقریر کبھی نہیں سنی . امام رضا علیہ السلام کے زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر توقف کرتا تھا یعنی آپ کے بعد امام رضا علیہ السلام کی امامت کا قائل نہیں تھا اور اسی لئے واقفہ کھلاتا تھا . امام محمد تقی نے اپنے کردار سے اس گروہ میں ایسی کامیاب تبلیغ فرمائی کہ سب اپنے عقیدے سے تائب ہو گئے اور آپ کے زمانہ ہی میں کوئی ایک شخص ایسا باقی نہ رہ گیا جو اس مسلک کا حامی ہو بہت سے بزرگ مرتبہ علماء نے آپ سے علوم اہل بیت علیہ السلام کی تعلیم حاصل کی . آپ کے ایسے مختصر حکیمانہ اقوال کا بھی ایک ذخیرہ ہے جیسے آپ کے جدِ بزرگوار حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے کثرت سے پائے جاتے ہیں . جناب امیر علیہ السلام کے بعد امام محمد تقی علیہ السلام کے اقوال کو ایک خاص درجہ حاصل ہے . الہیات اور توحید کے متعلق آپ کے بعض بلند پایہ خطبے بھی موجود ہیں

عراق کا آخری سفر

۲۱۸ھ میں مامون نے دنیا کو خیر باد کہا . اب مامون کا بھائی اور ام الفضل کا چچا موتمن جو امام رضا کے بعد ولی عہد بنایا جا چکا تھا تخت سلطنت پر بیٹھا اور معتصم باللہ عباسی کے نام سے مشہور ہوا . اس کے بیٹھتے ہی امام محمد تقی علیہ السلام سے متعلق ام الفضل کے اس طرح کے شکایتی خطوط کی رفتار بڑھ گئی . جس طرح کہ اس نے اپنے باپ مامون کو بھیجے تھے . مامون نے چونکہ تمام بنی عباس کی مخالفتوں کے بعد بھی اپنی لڑکی کا نکاح امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کر دیا تھا اس لئے اپنی بات اور کیے کی لاج رکھنے کی خاطر اس نے ان شکایتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں کی بلکہ مایوس کر دینے والے جواب سے بیٹی کی زبان بند کر دی تھی مگر معتصم کو جو امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کا داغ اپنے سینہ پر اٹھائے ہوئے تھا اور امام محمد تقی علیہ السلام کو داماد بنائے جانے سے تمام بنی عباس کے نمائندے کی حیثیت سے پہلے ہی اختلاف کرنے والوں میں پیش پیش رہ چکا تھا ، اب ام الفضل کے شکایتی خطوں کو اہمیت دے کر اپنے اس اختلاف کو جو اس نکاح سے تھا ، حق بجانب ثابت کرنا تھا ، پھر سب سے زیادہ امام محمد تقی علیہ السلام کی علمی مرجعیت، آپ کے اخلاقی اثر کی شہرت جو حجاز سے بڑھ کر عراق تک پہنچی ہوئی تھی وہ بنائے مخاصمت جو معتصم کے بزرگوں کو امام محمد تقی علیہ السلام کے بزرگوں سے رہ چکی تھی اور پھر اس سیاست کی ناکامی اور منصوبے کی شکست کا محسوس ہو جانا جو اس عقد کا محرک ہوا تھا جس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے یہ تمام باتیں تھیں کہ معتصم مخالفت کے لئے آمادہ ہو گیا . اپنی سلطنت کے دوسرے ہی سال امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد کی طرف بلو ابھیجا . حاکم مدینہ عبدالملک کو اس بارے میں تاکید ی خط لکھا

۔ مجبوراً امام محمد تقی علیہ السّلام اپنے فرزند امام علی نقی علیہ السّلام اور ان کی والدہ کو مدینہ میں چھوڑ کر بغداد کی طرف روانہ ہوئے ۔

شہادت

بغداد میں تشریف لانے کے بعد تقریباً ایک سال تک معتصم نے بظاہر آپ کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی مگر آپ کا یہاں کا قیام خود ہی ایک جبری حیثیت رکھتا تھا جسے نظر بندی کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے اس کے بعد اسی خاموش حربے سے جو اکثر اس خاندان کے بزرگوں کے خلاف استعمال کیا جاچکا تھا، آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا اور ۲۹ ذی القعدہ ۲۲۰ھ میں زہر سے آپ کی شہادت ہوئی ۔ اپنے جدِ بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم کے پاس دفن ہوئے ۔ آپ ہی کی شرکت کا لحاظ کر کے عربی کے قاعدے سے اس شہر کانام کاظمین (دو کاظم یعنی غصہ کو ضبط کرنے والے) مشہور ہوا ہے ۔ اس میں حضرت موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے لقب کو صراحۃً سامنے رکھا گیا جبکہ موجودہ زمانے میں اسٹیشن کانام جوادین (دو جواد یعنی فیاض) درج ہے جس میں صراحۃً حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کے لقب کو ظاہر کیا جا رہا ہے ۔ چونکہ آپ کا لقب تقی بھی تھا اور جواد بھی ۔

رضوی سیّد

یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنے سادات رضوی کہلاتے ہیں وہ دراصل تقویٰ ہیں یعنی حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی اولاد ہیں ۔ اگر حضرت امام رضا علیہ السّلام کی اولاد امام تقی علیہ السّلام کے علاوہ کسی اور فرزند کے ذریعے سے بھی ہوتی تو امتیاز کے لئے وہ اپنے کو رضوی کہتی اور امام محمد تقی علیہ السّلام کی اولاد اپنے کو تقویٰ کہتی مگر چونکہ امام رضا علیہ السّلام کی نسل صرف امام محمد تقی علیہ السّلام سے چلی اور حضرت امام رضا علیہ السّلام کی شخصی شہرت سلطنتِ عباسیہ کے ولی عہد ہونے کی وجہ سے جمہور مسلمین میں بہت ہو چکی تھی اس لئے تمام اولاد کا حضرت امام رضا علیہ السّلام کی طرف منسوب کر کے تعارف کیا جانے لگا اور رضوی کے نام سے مشہور ہوئے ۔